کامل وفاداری اور کامل سچائی کے ساتھ خدا کو بلانے والے ''الدَّاعِ'' حضرت محمد ﷺ تھے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2/ فروری 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرۃ:187)

پھر فرمایا:

رمضان کے تعلق میں اس آیت کی پہلے بھی کئی بار تلاوت کی جا چکی ہے۔اس کے مضمون پر مختلف پہلوؤں سے جماعت کو متوجہ کر چکا ہوں۔اب جب کہ رمضان تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہم اس کے دوسرے دہاکے یعنی عشرے میں داخل ہو چکے ہیں۔تو جب دوسرا عشرہ لگ جاتا ہے تو عموماً تجربہ یہی ہے کہ پھر تیزی سے رمضان آگے بڑھتا ہے جیسے ایک لٹو چل گیا ہو اور پندرہ دن آئے تو پھر آگے اعتکاف کے دن شروع ہو جائیں گے اور اعتکاف آیا اور گیا پتا نہیں چلتا کہ کب آیا اور کب نکل گیا،تو جو دن باقی ہیں اگر چہ بظاہر بارہ کے مقابل پر ابھی اٹھارہ دن باقی ہیں مگر چونکہ اب دنوں کی رفتار اور راتوں کی رفتار بہت تیز ہو چکی ہے اس لئے اب جو کچھ بھی کرنا ہے ابھی کر لیں،دن تھوڑے رہ گئے ہیں اور رمضان کے دن تو ویسے ہی اللہ نے فرمایا ہے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرۃ:185) بڑی برکتوں والے ہیں اس پہلو سے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشکل ہے تو تھوڑے دن ہی ہے۔اصل معنی اس کا یہ ہے کہ اتنے اچھے دن مگر کتنے تھوڑے ہیں۔آئے اور نکل گئے۔تو اس لئے جو کچھ بھی کمانا ہے اس عرصے میں کما لو جو محنت کرنی ہے کر لو اور اس حد تک کما لو کہ سارا سال کام آئے۔

پس اس پہلو سے زادِ راہ لے کر آگے بڑھو یہ مضمون ہے جو میں آپ کے سامنے بڑی وضاحت کے ساتھ کھولنا چاہتا ہوں اور اس تعلق میں اس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ کہ جب میرے بندے تجھ سے یہ پوچھیں یا تجھ سے سوال کرتے ہیں میرے متعلق فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ میں تو قریب ہی ہوں اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وہ بھی تو میری باتیں مانیں وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ اور مجھ پر ایمان لائیں لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ تا کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

سوال یہ ہے کہ لوگ آنحضرت ﷺ سے سوال کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے میرے متعلق تجھ سے پوچھتے ہیں۔ اس حد تک تو بات درست اور سمجھ میں آنے والی ہے جس نے کوئی گھر دیکھا ہوا سی سے اس کا پتا پوچھا جاتا ہے، اسی سے اس کے رستے کی تلاش میں مدد مانگی جاتی ہے۔ جس نے کوئی گھر دیکھا ہی نہ ہو اس سے تو نہیں پوچھا جاتا۔ حضرت گوتم بدھا کے متعلق یہ آتا ہے کہ کچھ پنڈت ان کے پاس آئے جو ایک ایسے گاؤں کے رہنے والے تھے جو تمام ہندوستان میں پنڈت پیدا کرنے کے لحاظ سے سب سے چوٹی کا گاؤں تھا اور انہوں نے حضرت گوتم بدھ سے کچھ سوالات کئے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت گوتم بدھ کے متعلق جیسا کہ عام انبیاءؑ کے متعلق یہی طریق ہوتا ہے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ دہریہ ہیں، بے دین ہیں، خداؤں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ پس اس خیال سے ان کو دلچسپی پیدا ہوئی کہ ان سے انہوں نے سوال کیا۔ تو بہت ہی پر حکمت جواب دیا۔ انہوں نے کہا تم کس گاؤں سے آئے ہو۔ فلاں گاؤں سے، اس لئے اگر کوئی شخص اس گاؤں جانا چاہے تو تم سے رستہ پوچھے گا، کسی اور سے تو نہیں پوچھے گا اور جو کسی گاؤں کا رہنے والا نہ ہو، جس نے کبھی دیکھا تک نہ ہو اس سے کون رستہ پوچھا کرتا ہے۔ تو وہ بات سمجھے۔ انہوں نے کہا پھر تم مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو۔ مراد یہ تھی کہ خدا کی باتیں مجھ سے پوچھتے ہو جس پر الزام یہ ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں ہے۔ مگر پھر کہا تم لوگوں کو تو اپنے گاؤں کا بھی نہیں پتا۔ تمہارے پنڈتوں کو بھی اس کا رستہ نہیں آتا۔ میں اس ملک کا رہنے والا ہوں جو خدا کا ملک ہے۔ میں اس ملک کا باشندہ ہوں جو بقا کا ملک ہے۔ میں وہاں کی بھی خبر جانتا ہوں اور یہاں کی بھی جانتا ہوں اس لئے جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔ یہ بہت ہی پیارا گہرا کلام ہے قطعی طور پر

ثابت کرتا ہے کہ حضرت بدھ علیہ السلام خدا کے ایک پیارے پاکیزہ نبی اور خدا کی ہستی کے گہرے قائل بلکہ اس کے عرفان کے دعویدار تھے۔ تو اس لئے جو جس ملک کا ہو، جس جگہ کا باشندہ، جس ذات کے ساتھ گہرا تعلق ہو اس کے متعلق اسی سے پوچھا جائے گا۔ یہ پہلو تو ہرگز تعجب انگیز نہیں وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ کہ اے محمد ﷺ جب یہ میرے بندے تجھ سے پوچھتے ہیں تو اس پہ تو کوئی اعتراض نہیں مگر وہ کہتا ہے میں قریب ہوں تو کیوں اس کو محسوس نہیں کر رہے؟ کیوں اس کے قرب کا احساس نہیں پیدا کرتے؟ رستہ پوچھتے پھرتے ہیں وہ تو ٹھیک ہے پوچھتے بھی اس سے ہیں جو درست ہے اسی سے رستہ پوچھنا چاہئے تھا مگر وہ وجود جو ہر وقت ساتھ رہتا ہو اس کے متعلق پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے بلاتا ہے اور یہ جو دعوت ہے یہاں یہ عام دعوت مراد نہیں۔ ایسی دعوت جس میں گہری سچائی پائی جائے، جس میں اخلاص ہو، جس میں یقین ہو اس دعوت کا خدا جواب اس حد تک دیتا ہے کہ فرماتا ہے جب وہ لوگ جو کشتیوں میں سفر کرتے ہیں نرم خو ہواؤں میں چلتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہوائیں بدل جاتی ہیں اس سے پہلے خدا کے قائل بھی نہیں ہوتے مگر اس وقت جب کہ موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے جب ان کو غرقابی دکھائی دیتی ہے تو گھبرا کر پھر مجھے پکارتے ہیں میں پھر بھی ان کی سن لیتا ہوں، انہیں بچا لیتا ہوں۔ جانتے ہوئے کہ جب وہ ساحل کے امن تک پہنچ جائیں گے تو وہ اس وقت پھر اسی شرک میں مبتلا ہو جائیں گے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ تو خدا تعالیٰ کا سننا ایک قطعی ثابت شدہ حقیقت ہے یہاں تک کہ دہریوں کی بھی سن لیتا ہے، مشرکوں کی بھی سن لیتا ہے اس سے زیادہ قریب اور کیا ہوسکتا ہے اور ہر موقع پر جب کہ بیچ میں کوئی اور راہ بتانے والا نہ ہو خدا وہاں موجود ہے۔ تو اس پہلو سے توجہ یہ دلائی گئی ہے کہ میں جو ہمیشہ قریب ہوں تم مجھے دور نہ رکھو۔ اتنا دور نہ رکھو کہ میرے متعلق تمہیں پوچھنا پڑے، پوچھتے پھرو کہ میں کہاں ہوں۔ پس ایسی ذات جو دور بھی ہے اور قریب بھی ہے تم چاہو تو اسے دور بھی بنا سکتے ہو، چاہو تو اسے قریب بھی سمجھ سکتے ہو، میرا وعدہ ہے کہ اگر تم مجھے قریب سمجھو گے تو میں قریب ہو کر تمہیں دکھائی دوں گا۔ تمہاری باتوں کا جواب دوں گا جیسے قریب بیٹھا شخص بولتا ہے تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسے بہت چیخنا نہیں پڑتا۔ اسی مضمون میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے اپنے سفر کے اُن

ساتھیوں کو جو بہت اونچی آواز سے تسبیح کر رہے تھے فرمایا ذرا تحمل سے کرو، آرام سے بات کرو، جس خدا کو تم پکار رہے ہو وہ بہرہ تو نہیں ہے، وہ دور تو نہیں ہے، وہ سن رہا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات بلند آواز سے بھی آنحضرت ﷺ نے تکبیر کی اور تسبیح و تحمید میں بھی بلند آواز سے کام لیا۔ مگر مراد یہ تھی کہ بعض دفعہ انسان محض دکھاوے کے لئے، رسم و رواج کے طور پر، ایک مشغلہ بنا کر اونچی آوازیں کرتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کو پسند نہیں تھی۔ اس لئے آنحضور ﷺ مومن کو ہمیشہ معنی خیز کام کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ بامعنی بات، سچی بات، دل کی گہرائی تک سچی ہو۔ اونچی آواز ہو تو وہ بھی ایک سچی وجہ سے اونچی آواز ہو۔ دھیمی آواز ہو تو وہ بھی ایک سچی وجہ سے دھیمی آواز ہو۔ مگر ضمناً یہ بھی تو بتایا کہ وہ تو ساتھ ہی ہے۔ تم دل میں بھی بات کرو گے تو وہ ضرور سن لے گا اور وہ جانتا ہے، ہر بات پر نظر رکھتا ہے۔ پس فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کا یہ معنی ہے اور جو اتنا قریب ہو اس کا قرب محسوس ہو اس کے متعلق یہ نہیں پوچھا جائے گا وہ ہے کہ نہیں ہے، وہ کہاں ہے، پس یہ سوال ناجائز ہیں۔ یہ پہلو جائز ہے کہ آپ جانتے ہیں اس کے رستے کو ہمیں بھی وہ طریقے دکھائیں، ہمیں بھی وہ سکھائیں گُر جن پر چل کر، جنہیں استعمال کر کے ہم اللہ کے ان معنوں میں قریب ہو جائیں جن معنوں میں آپ ہیں اور اس پہلو سے قریب کا معنی یہ ہوگا اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ آپؐ کی دعائیں وہ سنتا ہے۔ آپؐ جب بھی اسے پکارتے ہیں وہ جواب دیتا ہے۔ ہم اپنی ذات پر فضل نازل ہوتے اس طرح نہیں دیکھ رہے۔ پس وہ خدا جو قریب ہے اور ہم نے جان لیا آپ کے وجود پر غور کر کے کہ یقیناً قریب ہے اس کا ہمیں تو بتائیں کہ کیسے اس تک پہنچنا ہے۔ یہ اس پہلو سے اور معنی بن جاتے ہیں۔

اس مضمون کے ایک پہلو سے دعوت عام ہے کہ ہر کوئی شخص مطمئن ہو جائے، تسلی پا جائے کہ اس کا خدا دور نہیں ہے۔ ہر وقت اس کے ساتھ ہے مگر اسے محسوس کرنا ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ دعوتوں کا جواب ویسا آنا چاہئے جیسا کہ تم چاہتے ہو تو تم نے ٹھیک پوچھا ہے محمد مصطفی ﷺ جانتے ہیں اور آپؐ ہی کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس بات پر گواہ ہے کہ میں قریب ہوں۔

پس فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ان معنوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے حوالے سے یہ معنی دے گا کہ ان کو بتاؤ مجھے دیکھتے نہیں مجھ سے جو پوچھ رہے ہو تمہیں پتا نہیں کہ خدا میرے کتنے قریب ہے، ہر وقت میری دعاؤں کو سنتا ہے، ہر پکار کا جواب دیتا ہے، پس اگر تم نے طریق پوچھنا ہے تو وہ

طریق یہ ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِی اللہ مخاطب ہے مگر چونکہ سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک جواب دیا جا رہا ہے اور گویا آپ کو یہ سکھایا جا رہا ہے کہ تم یہی جواب دینا جو اصل اور حقیقی جواب ہے میں تو اتنا قریب ہوں کہ جب بندے سے مخاطب ہوتا ہوں تو بیچ سے سارے سلسلے اڑ جاتے ہیں اور کوئی بیچ میں نہیں رہتا۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ تو جواب دے۔ فرمایا میں قریب ہوں جواب خود ہی شروع کر دیا ہے اور اس مضمون میں اس کو آپ غور سے پڑھیں تو یہ ساری باتیں شامل ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ جس شخص سے تم نے پوچھا درست پوچھا ہے مگر تمہیں پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ وہ خدا جو ہر وقت پاس رہتا ہے ہمیشہ قریب رہتا ہے اس کے متعلق یہ سوال نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ کہاں ہے۔ پس ابتدائی سوال کے لحاظ سے جس میں خدا کی ہستی کے متعلق سوال ہو، ہے بھی کہ نہیں؟ ہے تو کہاں ہے؟ کیسے مل سکتا ہے؟ اس کے جواب میں قریب کا یہ معنی بنے گا کہ تم عجیب لوگ ہو، میں تو ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہوں اور تم میرے متعلق پوچھتے پھر رہے ہو مگر جس سے پوچھا ہے وہ گواہ ہے اس بات کا کہ اِنِّیْ قَرِیْبٌ اور اس کی گواہی اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

یہاں ان معنوں میں دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں الدَّاعِ سے مراد آنحضرت ﷺ بن جاتے ہیں۔ سب سے بڑا، سب سے خلوص کے ساتھ اور پیار کے ساتھ، کامل وفاداری کے ساتھ اور کامل سچائی کے ساتھ خدا کو بلانے والا الدَّاعِ حضرت محمد ﷺ تھے اور اس لحاظ سے یہ معنی بالکل ٹھیک بیٹھتے ہیں کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جس کے پاس تم آئے تھے اس کو دیکھو، قربت کے معنی کیا ہیں۔ وہ جب مجھے بلاتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِی اب دیکھیں وہ ضمیر سب انسانوں کی طرف پھیر دی ایک دعوت والے کا ذکر فرما کر فَلْيَسْتَجِيْبُوْا پس اے میرے متلاشیو! تم میرا جواب دو۔ محمد رسول اللہ ﷺ مجھے اس لئے پیارے ہیں کہ میری ہر بات کا جواب لبیک کہتے ہوئے دیتے ہیں۔ ایک بھی میری منشاء نہیں ہے جسے انہوں نے پورا نہ کیا ہو۔ ان کا تو کامل وجود میری رضا کا مظہر بن چکا ہے، سر سے پاؤں تک میری رضا پر ان کی نظر ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام: 163) اے محمد ﷺ! تو اعلان کر دے، بتا دے کہ تو میرے کتنے قریب ہے یعنی بندے کا بھی تو قریب ہونا ضروری ہے۔ وہ قرب یہ ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ

وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ میری تو نمازیں، میری عبادتیں، میری قربانیاں، میرا تو جینا مرنا کلیۃً خدا کا ہو چکا ہے۔ پس فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کا یہ معنی ہے، اس طرح میری باتوں کا وہ جواب دیں جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ میری باتوں کا جواب دیتے ہیں اور انہی سے تم پوچھ رہے ہو، انہی کا حوالہ ہے کہ ان سے سیکھو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ دوسری شرط لگائی ہے یہ ایمان ہے، محض فرضی ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پس وہ مجھ پر حقیقی معنوں میں ایمان لائیں۔

اب اس مضمون کا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا اس پر روشنی ڈالی ہے اور بڑی اہمیت دی ہے اس بات کو کہ تم اپنے ایمان کو پرکھتے رہا کرو۔ اگر ایمان ہو تو استجابت یعنی خدا کی باتوں کے جواب میں لبیک کہنا ایک طبعی نتیجہ ہے اس کے لئے کسی منطق کی ضرورت نہیں، زور لگانے کی ضرورت نہیں، وہ از خود قاعدے کی طرح خود بخود ایک نتیجہ پیدا کرے گا اور وہ ہے خدا تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے تم تو جانوروں پر بھی زیادہ ایمان لاتے ہو اس کے مقابل پر جتنا خدا پر لاتے ہو۔ فرمایا سانپ کا بل ہو اور اس میں سانپ تمہارے سامنے داخل ہوا ہو کبھی جرأت ہو گی کہ اس میں انگلی ڈالو؟ یا زہر کے متعلق معلوم ہو کہ یہ زہر ہے اور زہر قاتل ہے اور اٹھو اور جس طرح میٹھے کی ایک مٹھی بھر کے بعض دفعہ منہ میں ڈال لیتے ہو اور اس کو پکڑو مٹھی بھر و اور منہ میں ڈال لو کیا یہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ تمہارا ایمان سچا ہے۔ پس جب ایمان سچا ہو تو جس ذات پر ایمان ہے اس کے تقاضے کوشش سے نہیں بلکہ بے اختیاری سے پورے ہوتے ہیں۔ انسان چاہے بھی تو سانپ کے سوراخ میں انگلی نہیں ڈال سکتا۔ اگر زبردستی اس کی انگلی پکڑ کے ڈالنے کی کوشش کی جائے تو بہت زور لگائے گا، بہت جھگڑا کرے گا۔ ناممکن ہے کہ جب تک اس کے اندر طاقت ہو وہ آخری وقت تک اس سے بچنے کی کوشش نہ کرے یہاں تک کہ بے اختیار ہو کر نڈھال ہو کر جا پڑے۔

یہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ کھولا ہے۔ تو استجابت اور ایمان کا یہ تعلق ہے جو اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ حالانکہ بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ ایمان پہلے آیا ہے پھر استجابت ہے اور ہے یہی بات۔ مگر استجابت کا دعویٰ دائر کرنے والوں کے لئے خدا کو ڈھونڈنے میں سچے لوگوں کی علامت کے

طور پر یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ جو واقعۃً خدا کی طلب میں سچے ہوتے ہیں وہ اپنے اعمال سے پہچانے جاتے ہیں اور وہ اعمال گواہی دیتے ہیں کہ وہ ایمان لا رہے ہیں ورنہ محض ایمان گواہی نہیں دیا کرتا کہ کس کے اعمال سچے ہیں۔ ایمان سچا ہو تو وہ اندر کی بات کیا ہے پتا کیسا ہے لیکن جو اعمال اس ایمان کے نتیجہ میں ظہور میں آتے ہیں وہ تو سب دنیا کو دکھائی دیتے ہیں۔ تو لاکھ انسان دعویٰ کرے کہ میں خدا کی تلاش میں سچا ہوں لاکھ یہ کہے کہ میں مومن ہوں، ایمان دار ہوں جب تک اعمال کی گواہی ساتھ نہ ہو اس وقت تک اس کے ایمان کی سچائی کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تو اگر یہ معنی اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے آنحضرت ﷺ کے حوالے سے کئے جائیں کہ میں دیکھو الدَّاعِ کی اس بلانے والے کی آواز کا ہمیشہ جواب دیتا ہوں جس کی طرف تم آئے ہو۔ تو پھر دوسرے معنے اس کے یہی بنیں گے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس تم جس طرح یہ میرے لئے ہر بات پہ لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے تم بھی ویسا ہی کرو۔ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ تب تم حقیقت میں ایمان والے کہلا سکتے ہو۔ پھر تم جو ایمان لاؤ گے وہ مقبول ایمان ہوگا۔ یہ باتیں ان کو سمجھا دے۔ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ تا کہ وہ عقل کریں وہ سمجھیں کہ سچائی کی حقیقت کیا ہے۔

پس اس پہلو سے رمضان کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اور یہاں جس خدا کا ذکر ہے کہ میں قریب ہوں میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ رمضان میں یہ قریب تر آجاتا ہے۔ پس یہاں قریب کا ایک اور معنی بھی ہے کہ اگر چہ ہمیشہ قریب ہوں مگر بعض دن قربت کے دن ہوتے ہیں، بعض وصال کے دن آجایا کرتے ہیں، وصال کے موسم ہوتے ہیں، بہار کے بھی موسم ہوتے ہیں، خزاں کے بھی موسم ہوتے ہیں۔ پس فرمایا کہ یہ موسم میرے ملنے کا موسم ہے یہ وہ موسم آیا ہے جب میں قریب ہوں۔ پس اس قرب کے دور میں جو زادراہ آپ نے کمانا ہے وہ خدا خود ہے کیونکہ اگر خدا کما لیں گے تو سارا سال وہ آپ کا بنا رہے گا اور گزشتہ سال کی نسبت سارا سال آپ کو زیادہ قریب محسوس ہوگا اور یہ قرب جو ہے یہ کسی ایک مقام کا نام نہیں بلکہ ہمیشہ ایک بڑھتے رہنے والے متحرک مقام کا نام ہے جسے ایک جگہ قرار نہیں ہے، آگے بڑھ رہا ہے۔ پس قربت کا مضمون لامتناہی ہے۔

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے مراد یہ ہے کہ میں ہمیشہ قریب رہوں گا لیکن جب تم استجابت کرو گے، میری باتوں کا جواب دو گے تو ایک اور ایمان تمہارے اندر پیدا ہو گا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس اور ایمان کے مضمون کو بھی بڑی شان اور وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں انسان کو پتا نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میرے تعلقات کسی سے درست ہیں مگر جب حقیقت میں درست ہوتے ہیں تو ان تعلقات میں سے ایک اور روشنی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ تعلقات ایک اور شان کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں۔ جو خواب میں سوتے ہوئے سمجھ رہا ہے کہ میں جاگا ہوا ہوں اس کو بھی تو ایک ہوش ہے مگر جب جاگنے کے بعد اسے ہوش آتی ہے تو وہ اور ہی قسم کی ہوش ہوتی ہے لیکن جہاں تک خدا کا تعلق ہے ہم ہمیشہ ہی سوئے رہیں گے اور ہمیشہ ہی جاگتے رہیں گے اور ہمارا جاگنا ایسا ہی ہو گا جیسے خواب کے اندر سلسلہ بہ سلسلہ ہم جاگتے چلے جا رہے ہیں اور وہ کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا۔

پس خدا تعالیٰ کا تصور، اس کا عرفان، اس کے قریب ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور جتنا عرفان بڑھتا ہے اتنا وہ قریب ہوتا ہے۔ جتنا عرفان بڑھتا ہے اتنا ہی حقیقت میں ایمان بڑھتا ہے کیونکہ عرفان اور ایمان کا آپس میں گہرا جوڑ ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ الگ الگ کی بھی جاتیں ہیں مگر در حقیقت الگ ہونی نہیں چاہئیں کیونکہ ایک چیز جس کی صفات کا آپ کو علم نہ ہو اس پر ایمان بھی ہو تو وہ کافی نہیں ہے۔ ایک جنگل کا پھل آپ دیکھتے ہیں بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور خوشبو بھی اچھی ہے، دل چاہتا ہے آپ توڑ کر اسے کھائیں ایمان تو ہے کہ یہ پھل ہے، خوبصورت بھی ہے لیکن یہ پتا نہیں کہ وہ کڑوا کیوں ہے، کسیلا ہے یا میٹھا ہونے کے باوجود بھی زہریلا ہے۔ یہ جو دوسرا پہلو ہے اس کو عرفان کہتے ہیں۔ یہ علم ہی کی ایک قسم ہے لیکن وہ علم جو آہستہ آہستہ گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے اسے عرفان کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں علم ہی کی شاخیں ہیں سب۔ تو علم کے بغیر اور عرفان کے بغیر خدا تعالیٰ پر ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اس سے انسان پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پس فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ میں یہ دوسرا ایمان یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ وہ میری باتوں کا جواب دیں گے تو ایک اور ایمان ان کو نصیب ہو گا میں نسبتاً زیادہ قریب آؤں گا اور یہ قربت جو ہے یہ نہ ختم ہونے والی ہے۔ بعض دوریاں بھی نہ ختم ہونے والی ہوتی ہیں۔ بعض قربتیں بھی نہ ختم ہونے والی ہوتی ہیں۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے انسان کو بھی یہ تجربے ایک دوسرے سے تعلقات میں ہوتے رہتے

ہیں۔ بعض لوگوں کا قرب دکھائی دیتا ہے کہ بہت قریب ہیں لیکن پھر بھی اس ذات میں اور قرب چاہنے والے کے درمیان ایک فاصلہ رہتا ہے اور جوں جوں وہ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتے ہیں ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کسی انسان کی کتنی گہرائی ہے جتنی طبیعت میں گہرائی ہوگی اتنا قرب رفتہ رفتہ ملے گا اور بیک وقت یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے فلاں شخص کا قرب نصیب ہو گیا ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے وہ قریب تر ہوتے ہوئے بھی تو اتنا دور ہے کہ اس کے متعلق لوگ پوچھتے پھرتے ہیں۔ اس سے صاف پتا چلا کہ قریب سے مراد کوئی ایک ایسا مقام نہیں ہے جو حاصل ہو گیا، آپ نے پکڑ لیا اور قریب چیز ہاتھ آ گئی۔

قرب کی اتنی منازل ہیں کہ قریب ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیتا، سنائی نہیں دیتا۔ اس کا شعور پیدا نہیں ہوتا اس پر ایمان نہیں آتا اور قریب پھر بھی ہے۔ جب شعور پیدا ہوتا ہے تو ایمان بڑھنے لگتا ہے وہ حقیقت میں کچھ اور قریب ہونے لگتا ہے اور یہ قرب ایسا نہیں کہ چیز چیز سے ٹکرا گئی اور بات ختم ہوگئی۔ یہ قرب ایسا ہے جو لامتناہی سفر ہے کبھی نہ ختم ہونے والا اور اسی لئے **سیر فی اللّٰہ** کا مضمون قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ تو ایک سیر ہے جو کسی جگہ پہنچ کر اس کو دیکھا جاتا ہے اس کا نظارہ کیا جاتا ہے۔ ایک سیر ہے جو ڈوب کر ہوتی ہے۔ تو **سیر فی اللّٰہ** کا جو محاورہ ہے اس میں یہی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ڈوب کر اس سے زیادہ قریب تو ہو نہیں سکتے کہ کسی کی ذات میں ڈوب جاؤ مگر وہاں پہنچ کر اتنے قرب کے بعد تمہیں یہ سمجھ آئے گی کہ منزل آ نہیں گئی، منزل کی طرف سفر شروع ہوا ہے اور یہ وہ سفر ہے جو غیر متناہی سفر ہے اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے کیونکہ غرق ہونے کے بعد، ایک ایسی ذات میں غرق ہونے کے بعد جس کی کوئی اتھاہ نہیں، جس کی کوئی آخری حد نہیں ہے، کوئی نیچے ایسی چٹان نہیں کہ پہنچ کے آپ کہہ دیں کہ یہ اس کی آخری حد تھی بلکہ اس کی گہرائی لامحدود ہے کوئی مقام نہیں جہاں پہنچ کے پاؤں لگ سکیں انسان کے۔

پس اس پہلو سے قریب کے معنی جو ہیں وہ یہ ہوں گے کہ وہ جب میری باتوں کا جواب دیں گے تو اس کا مجھ پر ایمان ہمیشہ بڑھتا رہے گا اور ایمان بڑھنا یہاں ان معنوں میں ہے کہ عرفان بڑھتا رہے گا۔ ایمان بڑھنا یہاں ان معنوں میں ہے کہ میری ذات کا علم ان کو ایسا نصیب ہوگا کہ ہر دفعہ وہ کہیں گے، ہیں! یہ خدا تھا، ہم تو دھوکے میں رہے، ہم تو کچھ اور سمجھتے رہے لیکن اللہ یہ بھی

ہے اور یہ بھی ہے اور یہ بھی ہے اور یہ بھی ہے۔ایک ایسی خوبصورت وادی کا سفر جو نہ ختم ہونے والی ہو ہر موڑ پر ایک نیا حسن دکھائے اس سفر کی طرف اشارہ ہے وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ استجابت کریں۔ میری باتیں مان کے تو دیکھیں ان کو پتا تو لگے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں گے اور وہ ایمان جو ہے وہ نہ ختم ہونے والا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ (الرحمٰن:30) پھر وہ مجھے دیکھیں گے کہ میری تو ہر دن ہر لمحہ جوان پر گزرتا ہے شان بدلتی چلی جا رہی ہے۔ایک شان کے ساتھ میں آج ان پر طلوع ہوا ہوں، ایک نئی شان کے ساتھ کل طلوع ہوں گا۔ جب ہر لمحہ شان بدلے گی تو علم کامل ہو ہی نہیں سکتا مگر علم صحیح رخ پر رواں ہوسکتا ہے اس سے زیادہ انسان کو کوئی طاقت نہیں اس سے زیادہ وہ کچھ حاصل نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے عرفان یا اس کے علم کے سفر میں انسان غرق ہو جائے اور آگے بڑھتا چلا جائے یہاں تک کہ وہ خود راہنمائی کر کے ہاتھ پکڑ کر پھر اپنی طرف لے کر جائے۔

اب یہ عجیب بات لگتی ہے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف لے جانا مگر قرآن کریم یہی فرماتا ہے آنحضرت ﷺ کے روحانی سفر کے متعلق أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا (بنی اسرائیل:2) اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا گویا ہاتھ پکڑا، ہاتھ پکڑ کر وہ ایک سفر پر ساتھ روانہ ہوا جو خدا کی طرف کا سفر تھا۔تو ظاہر بات ہے کہ اس میں جسمانی سفر مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی شخص کسی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے وہ اپنی طرف اس کو روانہ کر ہی نہیں سکتا۔مگر اگر لامحدود ذات ہو اور اس کی ذات کے اندر کا سفر ہو تو وہ ہاتھ پکڑنے والا جہاں ہاتھ پکڑتا ہے وہاں بھی ہے اور اپنی جن گہرائیوں کی طرف لے کر جا رہا ہے وہاں بھی ہے۔ پس وہ ہاتھ پکڑتا ہے اور اپنی ذات کے اندر کا ایک ایسا سفر شروع کرواتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ پس ان معنوں میں وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کے مضمون کو آپ سمجھیں تو فرمایا لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ یہ حقیقت لوگ سمجھ جائیں تو پھر وہ ہدایت پا جائیں گے۔ ہوسکتا ہے وہ ہدایت پا جائیں لَعَلَّهُمْ ان کے لئے امکان پیدا ہوگا۔

پس اس رمضان مبارک میں یہ مزے چکھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ عبادتوں کا کیا مقصود ہے؟ بھوکا رہنا کیوں ہے؟ ورنہ خالی بھوکا رکھنے سے اور تکلیف دینے سے تو خدا کو کوئی مزہ نہیں

آتا۔ وہ تو رزاق ہے وہ تو جب اپنے بھوکے بندے کو کھانا کھاتے دیکھتا ہے تو جولذّت بھی خدا کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے وہ محسوس فرماتا ہے یہاں تک کہ لوگوں سے قیامت کے دن سوال کرے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کیوں نہ کھلایا۔ گویا ایسی لذّت محسوس کرتا ہے گویا بھوکا کھاتے وقت محسوس کر رہا ہو۔ ہم تو ہر بھوکے کی ذات میں ڈوب کر اس کی بھوک کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، اس بھوک کے مٹنے پر اس کی لذّت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ مگر وہ ذات جو ہر جگہ ہے، ہر کنہ سے واقف ہے وہ جانتی ہے کہ بھوک کیا تھی۔ وہ ذات جانتی ہے کہ بھوک مٹنے پر جو لطف آیا ہے یا سکون نصیب ہوا ہے وہ کیا چیز ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی جہاں اس حد تک باریک نظر ہو اپنے بندوں پر کہ ان کی بھوک بن جائے، ان کی سحری خدا کی سحری ہو جائے اس ذات کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اسے حاصل کر لیا ہم جان گئے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ یہ تو تجربہ ہوگا تو پتا چلے گا، رفتہ رفتہ اس میں سفر ہوگا۔

پس رمضان کے مہینہ میں وہ آپ کو بھوکا رکھنے سے کیا مزے اٹھا سکتا ہے جو خود بتا رہا ہے کہ میں تو تمہاری بھوک مٹا کے لطف اٹھاتا ہوں۔ آپ کو پیاسا رکھ کے وہ کیسے مزے اڑا سکتا ہے جب کہ وہ خود کہتا ہے کہ میں پیاسے کی پیاس بجھاتا ہوں، ننگے کو کپڑے دیتا ہوں، جس کی چھت نہیں ہے اس کے لئے چھت کا سامان کرتا ہوں اور جو ایسا کرتا ہے وہ گویا میری خاطر ایسا کرتا ہے، مجھے دیتا ہے۔ پس یہ معنے ہیں بھوک اور تکلیف کے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خود بنی نوع انسان کی تکلیفوں کو سمجھتا ہے اور جس حد تک سمجھتا ہے اس حد تک کوئی اور ذات سمجھ نہیں سکتی۔ تکلیفوں کے دور ہونے کا لطف جو خدا کو علم ہے دنیا میں کسی اور ذات کو علم نہیں تو ہمیں بھی اپنے عرفان کی خاطر ان باتوں میں سے گزارتا ہے اور عرفان الٰہی کا ایک یہ بھی مضمون ہے کہ جیسے خدا اپنے بندوں کے حال پر گہری نظر رکھتا ہے ان کی بھوک پر بھی نظر رکھتا ہے، ان کی پیاس پر بھی، ان کی غربت پر بھی، ان کی بھوک مٹنے کے لطف بھی جانتا ہے، پیاس بجھنے کے لطف بھی جانتا ہے، غربت سے امیری کی طرف سفر کی جولذّتیں ہیں ان سے بھی آشنا ہے، اس خدا کی طرف تم نے حرکت کرنی ہے تو وہ طریق اختیار کرو۔ اس لئے جو بھوک ہے وہ خدا تعالیٰ کے مزید عرفان کی خاطر ہے اور ہمیں وہ عرفان اپنی ذات کے حوالے سے دیا جا رہا ہے ورنہ خدا کو ہم بذات خود پہچان سکتے ہی نہیں کیونکہ وہ ذات ہی الگ ہے۔ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ‌ۚ (شوریٰ:12) اس جیسی تو کوئی ذات ہے ہی نہیں۔ پس خدا کے سکھانے کے

ڈھنگ بھی دیکھیں کتنے پیارے ہیں۔ہمیں ہمارے حوالوں سے سکھا تا ہے اور بتا تا ہے کہ دیکھو جب تم بھوکے رہو گے تو اس بھوک کے نتیجہ میں تمہیں اپنے بھائی کی تکلیف کا احساس ہوگا اور یہ اس وقت تمہیں یاد آنا چاہئے کہ خدا کو احساس ہے اور وہ بھوک، بھوک کی خاطر نہیں ڈالتا بلکہ اس سے اور بہت سے عظیم مقاصد ہیں جو حاصل ہوتے ہیں اور بھوک اور تکلیف کے نتیجہ میں اگر وہ خدا کی خاطر برداشت کی جائیں تو اللہ کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے اور انسان ان ذرائع سے اپنے آپ کو مزید چمکاتا ہے، اس اہل بنا دیتا ہے کہ وہ خدا کا قرب حاصل کر سکے۔

پس جب رمضان شریف میں ایک انسان کسی غریب بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اور اس کی لذّت محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بھوک کیا ہے۔ پہلے بھی جانتا تھا مگر پہلے علم اور تھا اور اب ایک لمبا روزہ رکھا ہے اس نے اب جو وہ بھوک کو پہچاننے لگا ہے ویسا پہلے نہیں پہچانتا تھا پھر وہ کسی کو کھلاتا ہے اور خدا کی خاطر کھلاتا ہے۔تو خدا نے جو بھوک کی تکلیف کا ذکر فرمایا کہ میں محسوس کر رہا تھا اور بھوک مٹنے کی خوشی کا اظہار فرمایا بعض لوگوں سے کہے گا تم نے مجھے کھانا کھلایا تھا جب میں بھوکا تھا تو یہ مراد ہے۔ یہ دونوں تجربے آپ رمضان میں دیکھیں کس شان اور صفائی کے ساتھ اور کس گہرائی کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں۔

لیکن اگر یہ نہ ہو بلکہ افطاریاں کرانا ایک رسم بن جائے اور نام و نمود کا ذریعہ ہو جائے تو یہ رمضان بالکل فضول، خالی خالی چلا جائے گا۔ نہ آپ کو اللہ کا عرفان نصیب ہوگا، نہ اس کے وہ فوائد ملیں گے نہ اس کے نتیجہ میں قرب الٰہی کا احساس پیدا ہوگا کیونکہ رمضان کمانا ہے تو اس طرح کمائیں جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے کمایا اور آپؐ سے بڑھ کر قربت کسی نے کمائی نہیں۔ اگر چہ یہ بھی خدا کا فضل ہی تھا جو آپؐ کو عطا ہوا۔ مگر قربت کمانے کے بھی تو کچھ راز ہوا کرتے ہیں، کچھ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے تو قربت نہیں کمائی جاتی۔ آپ سمجھتے ہیں حسن ایسی چیز ہے جس میں کوئی محنت نہیں از خود اس کے نتیجہ میں ایک شخص دوسروں کو قریب کر لیتا ہے مگر روحانی حسن کمانے پڑتے ہیں۔ یہ یاد رکھیں خَلق اور خُلق میں ایک نمایاں فرق ہے۔ خلق تو وہ تحفہ ہے جو آپ کو بنا بنایا نصیب ہو گیا اور خلق میں سے ہر خلق کی قیمت دینی پڑتی ہے۔ پس باوجود اس کے کہ بعض لوگ اعلیٰ اخلاق کی صلاحیتیں لے کے پیدا ہوتے ہیں مگر یہ خیال غلط ہے کہ ان کے خلق کی ان کو قیمت نہیں دینی پڑتی۔ ہر

خلق کے بدلے کوئی قربانی کرتے ہیں اور خلق نام ہے مسلسل قربانی کا۔ مسلسل ایثار کے بغیر آپ کو خلق کا معنٰی سمجھ آ ہی نہیں سکتا۔ ایک آدمی کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھتا ہے اگر بے اختیار اس کا ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے، گالی منہ سے نکلتی ہے، مشتعل ہو جاتا ہے، کبھی ہاتھ اٹھا بیٹھتا ہے، کبھی کسی اور ایسے طریق پر اس کو ذلیل اور رسوا کرتا ہے کہ اس کے دل سے اس کی بھڑاس نکل جائے اس کو خلق تو نہیں کہتے۔ یہ تو بنیادی بہمیت ہے۔ وہ فطرت ہے جو Raw حالت میں ہے جو اپنی کچی حالت میں ہے۔ خلق کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ ایسا شخص جب برداشت کرتا ہے تو بسا اوقات دیکھنے والے کو پتا ہی نہیں کہ اس کے دل پہ بھی تو کچھ گزر رہی ہے یہ بھی محسوس کرر ہا ہے، محسوس ہونے کے باوجود برداشت کرتا ہے۔ تو دیکھیں ایک دیکھنے والے کے نزدیک تو کوئی آواز ہی نہیں آئی، چپ کر کے ایک آدمی بیٹھا رہا ہے کہتے ہیں یہ بڑا خلیق ہے اس نے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا مگر اس مظاہرے کے دوران اندر اس کے کیا کیفیت تھی یہ آپ کو کیا پتہ لگ سکتا ہے۔

خلق میں اگر آپ تفصیل سے غور کریں گے اپنے تجربات پر غور کریں گے تو لازماً آپ کو دکھائی دے گا کہ ہر خلق کے اندر ایک مشقت اور محنت ہے اور بغیر محنت کے خلق کمائے نہیں جاتے۔ پس یہ کہہ دینا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں زیادہ بخشی تھیں اس لئے آپؐ نے تو اوپر آنا ہی تھا۔ جتنی صلاحیتیں آپ کو بخشی ہیں آپ نے استعمال کر لی ہیں؟ کیا اپنی استعداد کے مطابق آپ خلیق ہو گئے ہیں ان معنوں میں کہ آپ کو جو استعدادیں ملیں تھیں آپ نے ان کو اس طرح زیرنگین کر لیا اور ہر لمحہ اپنے جذبات کے حوالے سے آپ نے قربانیاں دے دے کر اپنے آپ کو چمکایا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر تو ٹھیک ہے کہ آپ کہیں جہاں تک ہم پہنچ سکتے تھے ہم پہنچ گئے ہیں جہاں تک محمد رسول اللہ ﷺ پہنچ سکتے تھے پہنچ گئے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔ صرف یہ بات نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو وسیع تر اخلاق کی صلاحیتیں بخشی گئی تھیں بلکہ یہ بھی درست ہے کہ آپ اس کنارے تک پہنچے ہیں، اپنی حدود کے آخری کناروں کو چھوا ہے اور اس سفر کے لئے بے انتہا قربانیاں دی ہیں۔ ایک ایک لمحہ آپ کا خلق کماتے ہوئے گزرا ہے تب جا کے وہ معراج نصیب ہوا جس کو لوگ دیکھتے ہیں اور عش عش کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ پس ہر شخص کا اپنا بھی تو ایک معراج کا مقام ہے۔ ہر شخص کو جو صلاحیتیں بخشی گئی ہیں اُن کو اگر بروئے کار لائے، ان کا

حق ادا کرے، ان کا حساب دے سکتا ہو تو ہر شخص سے ایک خوبصورت وجود رونما ہوگا جو ایک خلق آخر کہلائے گا اور یہی خلق کمانا ہے۔ اس مضمون کو سمجھے بغیر آپ خلیق بن ہی نہیں سکتے، خلق کما ہی نہیں سکتے۔ پس صلاحیتیں سب کو بخشی گئی ہیں لیکن یہ مضمون ہے فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي کہ خلق کمانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر اپنی رضا کی گردن اس کے سامنے جھکا دیں اور اس سے بہتر خلق کمانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جب رضائے باری تعالیٰ کی خاطر آپ ایک کام کرتے ہیں تو قطع نظر اس کے کہ آپ کو خلق کی تعریف آتی بھی ہے کہ نہیں آتی آپ خلیق ہو رہے ہوں گے۔ دن بدن آپ زیادہ بااخلاق ہوتے چلے جائیں گے۔ پس اس کے لئے کسی علم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہے لطف کی بات جو اس آیت میں ہمیں سمجھائی گئی ہے کہ جس سے پوچھا ہے اس کی پھر ادائیں بھی تو سیکھو۔ یہ منہ سے کہہ دینا تو آسان ہے کہ قرب الٰہی، خدا ہر جگہ ہے ہم ہر وقت خدا کے قریب ہیں تو اب جس سے پوچھ بیٹھے ہو اب اس کی ادائیں بھی دیکھنی ہوں گی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قریب ہے تو کن معنوں میں قریب ہے۔ ان معنوں میں قریب ہے کہ ہمہ وقت، ہر لمحہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو رہا ہے ایک لمحہ بھی جدائی کا نصیب نہیں ہوا اور اس لئے ہوا ہے کہ ہر لمحہ حضرت محمد ﷺ نے استجابت سے کام لیا ہے یعنی خدا کی باتوں پر ''لبیک اللھم لبیک'' کہا ہے۔ اپنے سارے وجود کو ایک سواری جس طرح اپنے آپ کو سوار کے حضور پیش کرتی ہے آپؐ نے اللہ کی رضا کو اپنی جان پر سوار کرلیا اور اس سواری کے خوب حق ادا کئے۔ یہ کرو گے تو پھر وَلْيُؤْمِنُوا بِي پھر تمہیں ایک عجیب ایمان نصیب ہوگا۔ ایک ایسا عرفان نصیب ہوگا کہ اس وقت تم کہو گے کہ ہیں، ہیں! ہم تو یونہی سوئے ہوئے تھے۔ جاگے تھے تو خواب ہی میں جاگے تھے، اب پتا چلا ہے کہ خدا ہے کیا؟ اب سمجھے ہیں کہ قرب اس کو کہتے ہیں۔

پس قرب کی خاطر اس مہینہ میں جب خدا قریب تر آیا ہوا ہے یعنی ہماری پہنچ کے نزدیک ہے اب اسے ایسا پکڑ لیں کہ پھر وہ سارا سال اس سے پیچھے نہ ہٹ سکے۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف میں آپ کو خصوصیت سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اگلا جمعہ جو آئے گا اس وقت تک رمضان اپنے نصف سے پلٹ کر دوسرے نصف کی طرف ڈھل چکا ہوگا اور اس سے اگلا جمعہ جو آئے گا تو عین ان راتوں میں آئے گا جب کہ سب کو لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی تلاش ہوتی ہے گہما گہمی ہوتی ہے، مسجدیں بھر جاتی ہیں وہ نمازی بھی جو

کبھی ویسے توفیق نہیں پاتے، گھر میں بھی نماز پڑھنے کی توفیق نہیں پاتے وہ بھی مسجدوں کی طرف دوڑتے ہیں۔تو اس سے پہلے پہلے باتوں کو سمجھ لیں ورنہ افراتفری میں کچھ بھی کمائی نہیں ہوتی۔آپ سمجھ رہے ہوں گے بڑا مزہ آیا بڑا جوش وخروش ہے لیکن بعد میں جب حساب کریں گے تو ہاتھ پلے کچھ بھی نہیں ہوگا۔اس لئے ہاتھ پلے کچھ اگر رکھنا ہے تو خدا کو کمائیں اس طرح کمائیں کہ وہ قریب دکھائی دینے لگے اور ایسا قریب ہو کہ اس کی قربت کے اثرات آپ کی ذات میں ظاہر ہوں۔اگر وہ اثرات ظاہر نہیں ہوں گے تو وہ قریب نہیں ہے۔اگر وہ اثرات ظاہر نہیں ہوں گے تو آپ کا ایمان اسی طرح خالی ہے جیسے پہلے تھا۔

پس یہ تو اتنا واضح کھلا کھلا مضمون ہے کہ جیسے ایک دکاندار سارے دن کی محنت کے بعد رات کو بہی کھاتے لے کر بیٹھ جاتا ہے اور جمع تفریق کرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے یہ فائدہ ہوا اور نقصان ہوا۔پس رمضان کے دوران ہر رات اپنا ایک بہی کھاتہ کھول لیا کریں اور غور کیا کریں کہ خدا کو آپ نے پایا بھی ہے کہ نہیں۔اس طرح کا پانا ایک فرضی بات ہے کہ اب میرا خدا ہو گیا بس چھٹی ہوگئی۔یہ پانا جو ہے انچ انچ، لحہ بہ لحہ اس کی طرف بڑھنا اسے اپنانا ہوگا اور یہ اگر سفر آپ سیکھ لیں قرب کے یہ معنٰی آپ سمجھ جائیں ان معنوں کے مطابق اللہ کے قریب ہونا شروع ہوں تو اس رمضان کے آخر تک ہم یقین سے کہہ سکیں گے کہ اب خدا ہمارے اس سے زیادہ قریب ہے جتنا پچھلے سال رمضان کے آخر پر تھا اور یہ جو قرب ہے یہ پھر واپس نہیں ہوا کرتا۔نیکیاں اور نیکیوں کے جذبے بڑھتے بھی ہیں کم بھی ہو جاتے ہیں مگر قرب جس کی بات میں کہہ رہا ہوں اس میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی۔وہ ایک دائمی حقیقت ہے اور اسی کا دوسرا نام روح القدس ہے۔روح القدس ایک زندہ حقیقت بھی ہے لیکن ہر انسان کو جو روح القدس نصیب ہوتی ہے وہ اس طریق پر نصیب ہوتی ہے کہ اس کا ساتھ دائمی ہوا کرتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے بھی روح القدس کو اسی معنی میں سمجھا۔اسی معنی میں بیان فرمایا اور قرآن کریم نے اس مضمون کو خوب کھول دیا ہے کہ روح القدس ایک ایسی برکت ہے جو آ کر پھر جایا نہیں کرتی۔کہیں قرآن کریم میں اشارةً بھی یہ نہیں بیان فرمایا کہ روح القدس آ کر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔وہ ساتھ رہنے والی حقیقت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی روح القدس کو اسی معنی میں وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے رکھا ہے کہ یہ تو ایک دائمی برکت ہے۔پس خدا تعالیٰ کا قرب ایسا جو آ کر ٹھہر جائے، ٹھہر ان معنوں میں نہ جائے کہ بڑھے نہیں بلکہ ان معنوں میں ٹھہر جائے

کہ آپ کے گھر کا ہو چکا ہو اور پھر آپ کو یہ خطرہ نہ ہو کہ یہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اتنا خدا آپ کمالیں کہ پھر جو مستقلاً آپ کا ضرور ہو چکا ہو۔ یہ ہے قرب الٰہی تا کہ اتنے حصے پر تو جب بھی ہاتھ بڑھائیں آپ کا ہاتھ پڑ جائے، آپ دیکھ لیں ٹٹولیں کہ ہاں یہ ہے۔ پس یہ وہ معنی ہیں قرب کے جن معنوں کی طرف متوجہ کر کے میں آپ کو بقیہ رمضان میں دعاؤں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اپنے لئے دعا کریں اور ہر روز یہ پہچان کرنے کی کوشش کریں کہ آپ نے خدا کو کس حد تک پایا ہے کہ نہیں پایا اور کیا اس حد تک پایا ہے کہ وہ آپ کا اپنایا گیا ہے اور اگر اس حد تک نہیں پایا تو پایا ہی نہیں۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ کوئی یہ سمجھے میں نے خدا کو پایا تو تھا مگر وہ چھٹ گیا، جاتا رہا کیونکہ خدا کی حقیقت ایک حسن ہے اور ایسا کامل حسن ہے کہ پھر اسے چھوڑا جا سکتا ہی نہیں۔ تو اس خدا کو پائیں جو حسن کامل ہے جو دور سے بھی دکھائی دیتا ہے اور غیروں کی نظروں سے بھی دکھائی دیتا ہے مگر قریب سے بھی دکھائی دیتا ہے اور اپنی نظر سے بھی دکھائی دیتا ہے اور اپنی نظر سے دکھائی دیتا ہے تو رگ جان سے بھی قریب تر ہو جاتا ہے۔ یہ معنی ہے قرب الٰہی کا جو پھر کبھی بے وفائی نہیں کرتا، کبھی چھوڑ کر نہیں جاتا۔ رگ جان سے قریب تر ہو گیا تو کیسے ممکن ہے کہ آپ زندہ رہیں اور وہ چھوڑ کر چلا جائے۔ رگ جان چھٹے گی تو پھر وہ خدا چھٹے گا اور رگ جان کا رشتہ کٹا تو موت واقع ہوگئی تو خدا تو اس سے بھی قریب تر ہے۔ پس یہ دوام ہے قرب الٰہی کا جس کی طرف اس آیت کریمہ میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ خدا تمہارا ہو گا لیکن جب بھی ہو گا، جتنا بھی ہو گا، تب تمہارا ہو گا اگر وہ تمہارا ہو چکا ہو اور پھر کبھی تمہیں نہ چھوڑے یعنی تم پھر کبھی اس کو چھوڑ نہ سکو۔ چھوڑو تو تمہاری جان اس چھوڑنے میں جائے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو آپ سمجھ کر رمضان میں اپنی نگرانی کریں اور اپنی دعاؤں میں یہی باتیں مانگیں جس طرح ظفر نے کہا ہے:

اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کئے لاکھ فریب کروڑ فسوں ، نہ رہا ، نہ رہا ، نہ رہا ، نہ رہا

تو دنیا کے محبوب تو ایسے بھی ہوتے ہیں، انسان چاہے بھی پیار ہو جائے، عشق ہو جائے واقعۃً یہ چاہتے ہوں کہ ”میری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں“ مگر جب (بہادر شاہ ظفر)

جاتے ہیں تو لاکھ فریب کریں، کروڑوں فسوں کریں ''نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا'' مگر خدا تو ایسا محبوب نہیں ہے۔ وہ تو جب آپ کا بنتا ہے جتنا بن جاتا ہے پھر ممکن ہی نہیں کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلا جائے، آپ کے لئے بھی ممکن نہیں رہتا کہ اسے چھوڑ دیں اور یہ مضمون جو ہے یہ رفتہ رفتہ خدا کو پانے کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ سارا خدا مل جائے۔ سارا خدا تو بندے کو مل سکتا ہی نہیں۔ سارے خدا کی طرف دائمی حرکت ہو سکتی ہے اور سارے خدا کی طرف دائمی حرکت کے لئے یہ شرط ہے کچھ تو ملے۔ کچھ تو ہاتھ میں ہو کہ جس کو آپ سمجھیں کہ ہاں یہ خدا تھا، خدا ہے یہ میرا ہو چکا ہے۔ یہ تعلق قائم ہوگا تو سفر شروع ہوگا۔ اگر قائم نہیں ہوگا تو لاکھ رمضان آئیں اور گزر جائیں آپ کو رمضان کے بعد یہی واویلا کرنا ہوگا ''نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا'' لگتا تھا کہ آیا ہے، لگتا تھا کہ ہمارے دل پہ بھی رونق کی ہوائیں چلی ہیں مگر وہ آئیں اور گزر گئیں اور دل کی ویرانی نہ گئی۔ خزاں خزاں ہی رہی اور بہار کے موسم میں تبدیل نہ ہوئی کیونکہ بہار کی علامتیں باقی نہیں دکھائی نہیں دے رہیں۔

پس خواہ تھوڑا کمائیں اتنا کمائیں جو واقعۃً خدا کا کمانا ہو اور جب خدا کمایا جائے گا تو فَلْيَسْتَجِيبُوا کی علامتیں آپ کی ذات میں بولنے لگیں گی۔ پھر آپ کا دعویٰ ایمان کا نہیں ہوگا، دنیا دیکھے گی کہ ہاں ان کی ذات میں ہمیں خدا کی استجابت کے نظارے دکھائی دے رہے ہیں، اس کی علامتیں ظاہر ہوگئیں ہیں۔ اس طرح اگر آپ کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ رمضان ہمارا بہت ہی بابرکت رمضان گزرے گا۔

اس ضمن میں میں نے ایک مختصر سی بات کہی تھی اب پھر اسی کو یاد کرا کے اس خطبہ کو ختم کروں گا کہ افطاری کروانا اچھی بات ہے مگر افطاریوں میں جان ڈال دینا ان معنوں میں کہ خوراک کی باتیں ہوتی رہیں۔ کس نے زیادہ اچھا کھلایا، کس نے زیادہ اچھا پکایا یہ تو رمضان کے مضمون کے منافی ہے، سوشل فنکشن منا لینا اس حد تک کہ بعض جگہ اطلاعیں ملی ہیں کہ چندے اکٹھے ہو رہے ہیں کہ افطاریاں کروائیں۔ کل کی بات میں نے فیکس پہ ان کو کہا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہرگز اجازت نہ دیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا جماعت کی طرف سے کر لیں۔ میں نے کہا جماعت کی طرف سے یہ بھی رمضان کا ایک حصہ ہے کبھی اکٹھا بیٹھنے سے ایک محبت بڑھتی ہے اگر جماعت اپنی طرف سے کرتی ہے تو کرے بے شک لیکن افطاریاں کروانے کو رسم بنا لینا اور اس کے لئے چندے اکٹھے کرنا اور جو پیسے

دے سکتا ہے وہ آئے ، یہ بالکل ظلم ہے، رمضان کی روح کے بالکل منافی اور اس سے متصادم ہے۔

رمضان کی روح تو یہ ہے کہ آپ بھوکے رہتے ہیں، ان بھوکوں کی خاطر جن میں خدا آپ کا انتظار کر رہا ہے جن کی تکلیف میں خدا موجود ہے آپ وہاں پہنچیں گے تو خدا کو پہچانیں گے ان کی خدمت کریں۔ اصل افطاری وہ ہے کہ جب جہاں آپ کو بھوکوں کی تلاش ہو جہاں غریبوں کی جستجو ہو دیکھیں کہ کون کون ہیں جو دکھوں میں مبتلا ہیں، ان تک پہنچیں، ان کے دکھ دور کریں، وہ لذّت جو آپ محسوس کریں وہ لذّت خدا محسوس کر رہا ہوگا یہ ہیں وصل کے ذریعے۔ اس بھوک میں بھی آپ کو وصل نصیب ہوگا جو غیر کی، خدا کے بندے کی بھوک آپ کے دل میں مچل رہی ہوتی ہے۔ اس سحری میں بھی آپ کو خدا محسوس ہوگا جو سحری ایک خدا کے غریب بندے کی کروا کر آپ ایک لذّت محسوس کرتے ہیں تو قرب کے ذریعے ایسے بھی نہیں ہیں جو فرضی ہیں، وہ دکھائی دیتے ہیں اور ان غریبوں میں خدا کا قرب بھی تلاش کریں ان کے حقوق ادا کریں ان کے لیے زیادہ سے زیادہ اپنے سینے کھولیں تو ان سینوں میں خدا ضرور بس جائے گا اور پھر ہمیشہ بس جائے گا۔

یہ بھی ایک تجربہ ہے جس کو غریب کی خدمت کی لذّت آجائے ناممکن ہے کہ زندگی بھر پھر وہ لذّت اس کا ساتھ چھوڑ دے۔ یہ تو ایسا چسکا ہے جو جان کا حصہ بن جاتا ہے۔ کسی کا دکھ دور کرنا ایک ایسی لذّت ہے جو کسی اور جزا کو چاہتی ہی نہیں ہے۔ دکھ دور کرنا خود ایک لذّت ہے۔ تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کا یہ معنٰی ہے۔ اس کو سمجھیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا قرب عطا فرمائے جو دوام رکھتا ہے جسے روح القدس کی برکت بھی کہا جاتا ہے۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا:۔

ابھی نماز جمعہ اور عصر کے بعد ایک بیعت ہوگی۔ عام طور پر تو یہ رواج نہیں ہے، مطلب ہے دستور نہیں ہے مگر روس سے ہمارے ایک دوست تشریف لائے ہوئے ہیں جن کا نام آذر بائیجان ہے اور یہ ایک بہت بڑے آرٹسٹ ہیں اور اس ملک کے تھیٹرز ایسوسی ایشن کے صدر اور انٹرنیشنل کنفیڈریشن آف تھیٹرز ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں۔ گورباچوف کے زمانے میں سینٹ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ یہ احمدیت کی جستجو میں یہاں نہیں آئے تھے ان کے اپنے آرٹس کے کام تھے جن کی خاطر یہ یہاں تشریف لائے مگر چونکہ ان کا وہاں احمدیوں سے تعارف تھا انہوں نے ہمارا بھی حوالہ دیا۔ یہاں

آتے رہے درس میں شریک ہوتے رہے اور ہمیں دیکھتے رہے نمازیں پڑھتے ہوئے۔کل مجھے ملے ہیں تو مجھے کہا کہ میں پہلے مسلمانوں کو جو عام طور پہ دیکھا کرتا تھا اس سے مجھے کبھی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی اسلام میں۔مگر میری خوش نصیبی ہے کہ رمضان کے مہینے میں میں یہاں آگیا ہوں جو میں نے اپنی آنکھوں سے یہاں دیکھا ہے تو یہ عجیب پر کیف نظارہ ہے۔یہ اسلام ہے جو حقیقت میں لوگوں کو زندہ کرسکتا ہے۔یہ مختصر سی بات کی تھی اور جانے کے بعد پیغام ملا کہ میری خواہش ہے کہ میں جمعہ کی نماز کے بعد بیعت کروں۔تو اگر چہ عام طور پر اس وقت اتنا وقت نہیں ہوا کرتا مگر یہ چونکہ یہ ایک خاص موقع ہے اور بہت ہی معزز انسان اور پاکباز، پاک دل ہیں بالکل،کوئی لمبی بحثیں نہیں کیں،صرف دیکھا ہے،ہاں ایک اور بات بھی کی ہے انہوں نے کہ جو میرے گزشتہ مضامین چھپے ہیں روس کے متعلق یا ویڈیوز تیار ہوئی ہیں۔بیٹھ کے پورا دیکھتے بھی رہے ہیں۔اندر اندر ذہنی اور علمی تیاری بھی کی ہے مگر بحث کے طور پر نہیں بلکہ خود دیکھ کر تو اس وجہ سے ان کے احترام میں میں نے اجازت دے دی کہ جمعہ اور عصر کی نماز کے معاً بعد ان کی بیعت ہوگی اگر چہ یہ ٹیلی وائز نہیں ہوگی مگر لوگ چونکہ سن چکے ہیں اس لئے اپنے طور پر دعا میں شامل ہو جائیں۔